توسیعی خطبہ

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نئی دہلی کے مالی تعاون سے

علم اور علماء اعظم گڑھ میں

(قاضی اطہر مبارک پوری کے حوالے سے)

پروفیسر اختر الواسع

صدر مولانا آزاد یونیورسٹی جودھ پور

و پروفیسر ایمریٹس، شعبہ اسلامک اسٹڈیز

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
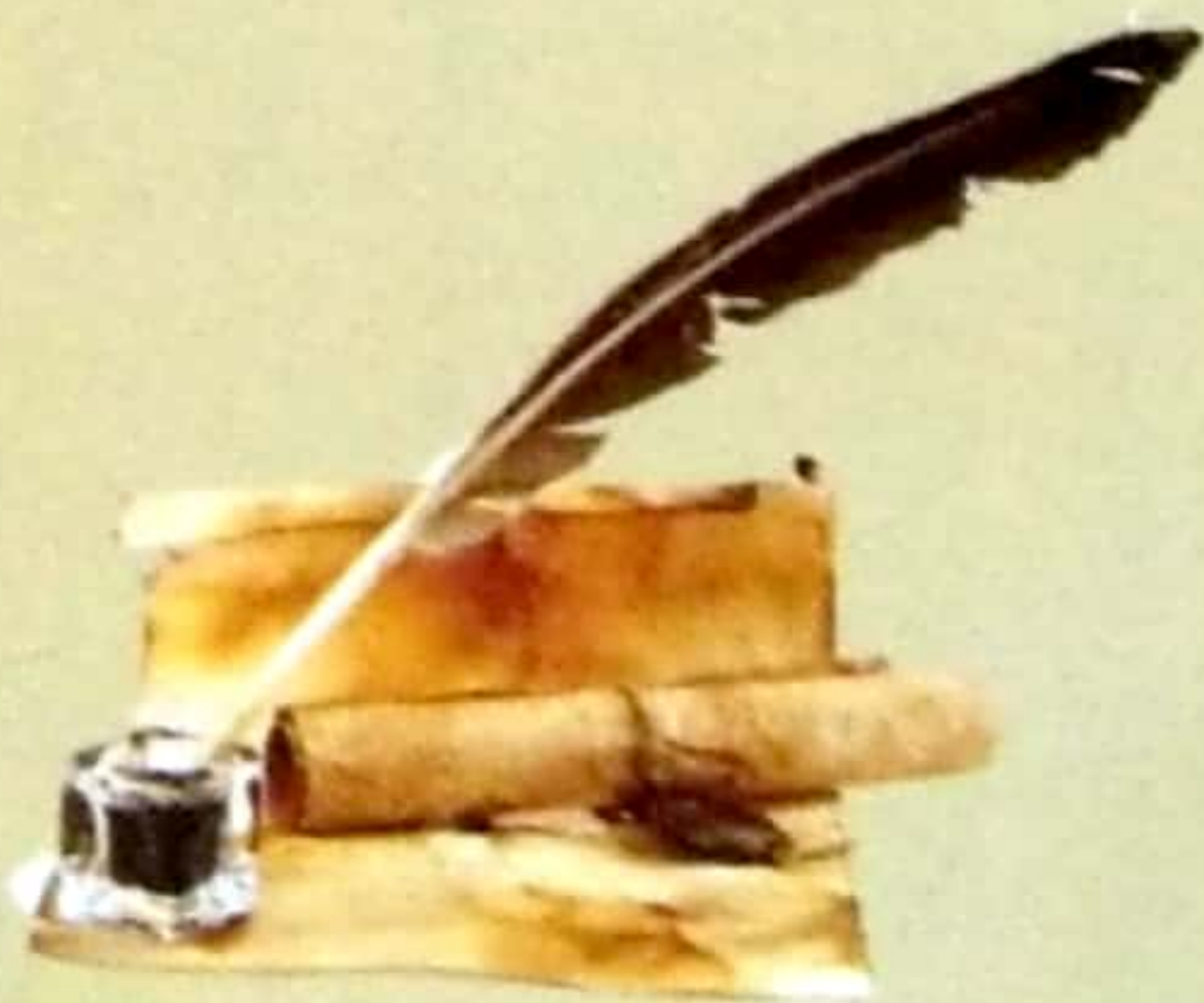
زیر اہتمام:

مبارک پور گرلس ڈگری کالج، مبارک پور

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
نئی دہلی کے مالی تعاون سے

علم اور علماء اعظم گڑھ میں

(قاضی اطہر مبارک پوری کے حوالے سے)

پروفیسر اختر الواسع

صدر مولانا آزاد یونیورسٹی جودھ پور
و
پروفیسر ایمریٹس، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

زیر اہتمام:

مبارک پور گرلس ڈگری کالج، مبارک پور

نام کتاب : علم اور علماء اعظم گڑھ میں

خطاب : پروفیسر اختر الواسع

صدر مولانا آزاد یونیورسٹی جودھ پور

و پروفیسر ایمریٹس، شعبہ اسلامک اسٹڈیز،

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

بتاریخ : ۱۴ مارچ ۲۰۲۱ء

بمقام : مبارک پور گرلس ڈگری کالج، مبارک پور

کمپوزٹ : عامر فہیم

صفحات : ۲۴

اشاعت : ۲۰۲۱ء

ناشر : **ڈاکٹر شمیم احمد انصاری**

(منیجر) مبارک پور گرلس ڈگری کالج، مبارکپور

ضلع اعظم گڑھ (یوپی) 276404

فہرست

علم اور علماء اعظم گڑھ میں

(قاضی اطہر مبارک پوری کے حوالے سے)

میں انتہائی شکر گزار ہوں مبارک پور کی ہمارے اس زمانے میں آن، بان، شان اور پہچان ڈاکٹر شمیم صاحب کا جنہوں نے نیشنل کونسل برائے فروغ اردو زبان سے اس مہتم بالشان سلسلہ توسیعی خطبات کی منظوری لی اور پہلے خطبے کے لیے میرا انتخاب فرمایا۔ اعظم گڑھ کی علمی روایت اور علماء اعظم گڑھ کے بارے میں بات کرنا بڑی سعادت کی بات ہے۔ یہاں کا تو یہ امتیاز ہی ہے کہ علامہ اقبال سہیل کے لفظوں میں

جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

اعظم گڑھ کی علمی پہچان:

قدیم زمانے سے اس خطے کو علم وفن کے مختلف میدانوں میں

قیادت ورہبری کی سعادت حاصل رہی ہے۔اسلام کی کرنیں اس علاقے میں شمالی ہند میں مسلمانوں کی حکومت کے قیام سے بہت پہلے اس وقت پہنچیں جب غازی شہید سید سالار مسعود کا کاروان شوق و جہاد یہاں وارد ہوا۔اعظم گڑھ کے مختلف مقامات پر آج بھی غازیان قافلہ سالار کے نقوش ثبت ہیں۔مشہور ہے کہ سید سالار مسعود غازی کی فوجیں بہرائچ جاتے ہوئے بھگت پور نامی مقام پر کچھ دنوں کے لیے فروکش رہی تھیں، یہاں آج بھی ہر سال غازی میاں کا میلہ پوری آب وتاب سے لگتا ہے۔کئی مقامات پر شہدا کے مزارات مقامی روایات کے مطابق سالار غازی کے ساتھیوں کے ہیں۔البتہ اعظم گڑھ کے علاقے میں اشاعت اسلام کی کوششوں کو زیادہ فروغ عہد سلطنت میں حاصل ہوا۔اس زمانے میں دہلی اور مختلف علاقوں سے علماء، مشائخ اور اہل اللہ کی ایک جماعت اس خطہ ارضی میں آکر قیام پزیر ہوئی اور مقامی لوگوں میں اسلام کا پیغام عام کرتی رہی۔تغلق عہد حکومت میں اس علاقے کو ایک نئی شہرت اس وقت ملی جب علم و روحانیت سے آگے بڑھ کر پارچہ بافی کی صنعت کو یہاں عروج حاصل ہوا۔ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں بھی اس علاقے میں تیار ہونے والے عمدہ کپڑوں کا ذکر کیا ہے۔اسی دوران شرقی سلاطین کے زمانے میں

یہ علاقہ عروج وترقی کے ایک نئے دور میں داخل ہوا، شرقی حکمرانوں کی علم دوستی اور علماء نوازی کے سبب اہل کمال اور ارباب علم وفضل کی روشنی سے یہ پورا خطہ منور ہوگیا اور جون پور اور اطراف میں مسلم علم وتمدن اور فکر وصنعت کی نئی اور لازوال تہذیب پروان چڑھی۔جون پور دہلی کا مقابلہ کرنے لگا اور اس کے اطراف اطراف دہلی کا نظارہ پیش کرنے لگے۔شاید اسی زمانے میں اعظم گڑھ کے قصبات وقریات (دیہات) میں وہ علمی روایت پختہ ہوئی جو آگے چل کر اس خطے کا خاص امتیاز ثابت ہوئی۔بعد میں لودھیوں اور تیموریوں کے زمانے میں بھی یہ علاقہ علم وفن کے بڑے مراکز میں شامل رہا۔اور جب نوابین اودھ کے عہد حکومت میں بوجوہ اس خطے کے علماء واکابر پر حالات تنگ ہوئے، تو اس وقت بھی یہاں کے علماء نے حاشیے پر رہتے ہوئے بھی علم کی شمع جلائے رکھی۔

حیات شبلی کے مولف نے اس خطے میں علمی ترقی کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔پہلا دور شرقی سلطنت کا عہد ہے جو ۸۰۴ھ سے شروع ہو کر ۸۸۱ھ پر ختم ہوتا ہے۔اس زمانے میں بڑی تعداد میں علماء اور ان کے اہل خانہ بڑی تعداد میں اس علاقے میں آکر آباد ہوئے۔دوسرا دور لودھی حکمرانوں (۸۸۱ھ تا ۹۳۲ھ) کا ہے، جنہوں نے شرقی سلطنت کا خاتمہ

کیا تھا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ علم وتمدن کے جو پودے شرقی دور میں لگائے گئے تھے وہ لودھی عہد میں بار آور ہوئے۔ تیسرا دور تیموریوں یعنی مغلوں کا ہے۔ اس عہد میں جون پور دار العلم بنا، اس کے اثرات اطراف وجوانب نے بھی قبول کیے، یہاں تک کہ مغل شہنشاہ شاہ جہاں نے جون پور اور اس کے اطراف میں علم وتمدن کی فراوانی کا اعتراف اس فقرے میں کیا:

''پورب شیراز ماست''

چوتھا دور نوابان اودھ کا ہے جن کے زمانہ حکومت میں اس علاقے کے علماء اور ان کے خانوادے مختلف وجوہ سے زیر عتاب آئے، البتہ اس دور میں بھی خطہ اعظم گڑھ کے مختلف قصبات وقریات میں علمائے فرنگی محل کے فیض یافتہ علماء کی ایک تعداد نے علم وتمدن کے چراغ کو روشن رکھا۔ (حیات شبلی ص ۹۳ تا ۱۱۷)

۱۸۳۲ء سے پہلے اعظم گڑھ مستقل ضلع نہیں تھا، اس کے علاقے گورکھپور، جون پور اور غازی پور میں تقسیم ہوا کرتے تھے (تذکرہ علمائے مبارکپور ص ۵۹) البتہ جون پور کا نواح ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ اسے ایک علمی وتمدنی امتیاز حاصل رہا جس نے موجودہ زمانے میں خطے کی ایک مرکز علم کے طور پر تشکیل میں کلیدی رول ادا کیا۔ میں نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ اعظم گڑھ

کے قصبات وقریات کی پہچان بنیادی طور پر ان کے علم وہنر کی وجہ سے ہے۔ ایک طویل فہرست تیار ہو جائے گی اگر میں ان قصبات وقریات کی مٹی سے اٹھنے والی شخصیات کے نام ہی گنوانے لگ جاؤں۔

اعظم گڑھ میں علم اور علماء کی روایت:

موجودہ زمانے میں اعظم گڑھ اپنی ایک الگ پہچان رکھتا ہے۔ ضلع میں مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی کی موجودگی اسے عظیم ہندوستانی گنگا جمنی تہذیب کے گہواروں میں ایک بناتی ہے۔ ایک ایسے دور میں جب کہ ملک خاص کر اس کی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش میں فرقہ وارانہ منافرت اپنے شباب پر ہے اور نفرت کے سیاسی سوداگر اس میں مزید اضافے کے خواہاں ہیں، اعظم گڑھ نے نفرت کی سیاست کو مسترد کر کے ایک مثال قائم کی ہے۔ اپنی تاریخ کے آغاز سے ہی اعظم گڑھ میں علم اور علماء کا بول بالا رہا ہے۔ خاص طور پر اودھ کی طرح یہاں بھی قریات و قصبات میں جس بڑے پیمانے پر علم وفن کی آبیاری کی گئی اس کی مثال کہیں اور کم ہی ملتی ہے۔ حضرت میر عاشقاں علیہ الرحمہ (ف: ۹۵۵ھ) مسکن ومدفن سرائے میر، علماء اور اہل اللہ کی بستی نظام آباد، مینہ نگر، پھریہا

اور ماہل کی بستیاں، گھوسی، محمد آباد، چریا کوٹ، ولید پور اور مبارک پور کن کن بستیوں کا نام لیجیے اور ان سے وابستہ کتنی شخصیات اور ہستیوں کا ذکر کیجیے۔ ایک کہکشاں ہو تو بتائیے یہاں تو کہکشانوں کا ایک نہ ختم ہونے والا تسلسل ہے جس کی سلسبیل اب بھی جاری ہے۔

شخصیات میں میں نے حضرت میر عاشقاں کا ذکر کیا، ان کے پیرو مرشد حضرت شاہ عبدالقدوس، جو شاہ قدن کے نام سے مشہور ہیں، کا مدفن نظام آباد کا قصبہ ہے، صاحب رشید یہ دیوان عبدالرشید کا وطن اصلی بھی یہی ہے۔ مولانا غلام نقش بند لکھنوی کے نام سے مشہور بزرگ کا تعلق گھوسی کے قصبے سے تھا، ماضی قریب میں تاج الشریعہ مولانا امجد علی کی علمی و دینی فتوحات سے ایک دنیا واقف ہے۔ چریا کوٹ کے عباسیوں میں قاضی علی اکبر، مولانا عنایت رسول اور مولانا فاروق چریا کوٹی کو لازوال شہرت حاصل ہے۔ جدید دور کے نامورانِ اعظم گڑھ میں مولانا سلامت اللہ جیراج پوری، شبلی نعمانی، اسلم جیراج پوری، حمید الدین فراہی، مبارک پور کے علماء میں مولانا عبدالرحمان محدث مبارک پوری، مولانا عبدالسلام مبارک پوری، مولانا عبید اللہ مبارک پوری، حافظ ملت اور ہمارے آج کے ممدوح حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری اعظم گڑھ کے علمی سلسلۃ

الذہب کی انمول کڑیاں ہیں۔

اعظم گڑھ کی علمی روایت پر کوئی بھی تحریر یا گفتگو اس وقت تک تشنہ اور نامکمل رہے گی جب تک کہ یہاں کے مدارس کا ذکر نہ ہو۔ مذہبی تعلیم کے حوالے سے اعظم گڑھ کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔ ماضی قریب میں اعظم گڑھ کے مدارس کا ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور دینی بے داری کے میدان میں جو کارنامہ رہا ہے، اس کا اعتراف ہر سطح پر کیا جاتا ہے۔ فکر و مسلک کی کسی بھی قید و بند کے بغیر ان مدارس کی خدمات کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔ اعظم گڑھ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ اس خطے میں ہندوستانی مسلمانوں کی ہر مذہبی فکر کو جگہ بھی ملی اور اسے جلا بھی ملتی رہی۔ مسلمانوں کی شاہ ولی اللہی تقسیم کا اگر اعتبار کیا جائے تو سرزمین اعظم گڑھ شیعہ اور سنی دونوں مکاتب فکر کے مدارس کا مسکن رہی ہے۔ اودھ کے نوابی دور میں شیعہ مکتب فکر کے علماء اور مدارس کو یہاں خصوصی فروغ حاصل ہوا۔ شیعہ مکتب فکر کے بعض اہم مدارس آج بھی اس خطے میں موجود ہیں۔ سنی مسلمانوں کے تقریباً سبھی مکاتب فکر کے بڑے اور اہم مدارس اعظم گڑھ میں موجود ہیں۔ جامعہ اشرفیہ، احیاء العلوم، دار التعلیم، مدرسۃ الاصلاح، جامعۃ الرشاد اور جامعۃ الفلاح صرف چند نام ہیں جو میں نے لیے۔

کچھ مبارک پور کے بارے میں:

مبارک پور ضلع اعظم گڑھ کا سب سے بڑا قصبہ ہونے کے ناطے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اپنے قیام کے زمانے سے ہی اسے علماء اور ہنر مندوں کی سرپرستی حاصل رہی۔ یہاں چوں کہ میرا موضوع علم اور علماء سے متعلق ہے اس لیے مبارکپور کی ہنرمندی کو کسی اور موقعے کے لیے چھوڑتا ہوں۔ جہاں تک علم کی بات ہے تو اپنے قیام کے بعد سے ہی یہ قصبہ مرکزِ علم وفن رہا۔ قاضی اطہر مبارک پوری نے اس قصبے کی علمی روایت کے حوالے سے ''تذکرہ علمائے مبارک پور'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی ہے۔ انہیں اپنے ہم عصروں اور متقدمین سے بھی یہ شکوہ رہا کہ انہوں نے مبارک پور کی علمی و دینی خدمات کو نظر انداز کیا حالانکہ ان کے مطابق 'یہاں پر اسلامی و دینی خدمات کے مختلف گوشوں میں جس قدر زیادہ کام ہوا ہے، اطراف کی کسی بستی میں اس کی مثال نہیں ملتی'۔ (مقدمہ تذکرہ علمائے مبارک پور) انہوں نے مبارک پور کی علمی و مذہبی تاریخ کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے اور دورِ دوم کو عہد آفریں قرار دیتے ہوئے اس زمانے کے مبارکپور کو ''نیسا پور ہند'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں

کہ اس دور میں مولانا عبدالرحمان محدث، مولانا عبدالسلام، مولانا عبدالعلیم، مولانا احمد حسین، مولانا محمد شریف، مولانا ظفر حسن عینی، ملا رحمت علی، مولانا ابو محمد عبدالحق، مولانا محمد احمد، مولانا الٰہی بخش، مولانا محمد شکر اللہ وغیرہ جیسے نابغہ ہائے روزگار نے مبارک پور کی علمی و مذہبی رونق میں چار چاند لگائے۔ علم وعمل کے ان چاند ستاروں نے مبارک پور میں جو انجمن آباد کی اس کے فیض یافتگان میں سے ایک قاضی اطہر مبارک پوری بھی تھے۔

قاضی اطہر مبارک پوری:

اسلامی تاریخ وتہذیب کے حوالے سے اعظم گڑھ نے جو چند نادر جوہر تابندہ پیدا کیے ہیں، قاضی اطہر مبارک پوری ان میں ایک نمایاں نام ہیں۔ وہ ایک نامور عالم، مدرس، صحافی، شاعر، علوم اسلامی کے ماہر، مورخ اور محقق تھے۔ ان کی علمی فتوحات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ کسی ایک پہلو پر ہی گھنٹوں گفتگو کی جا سکتی ہے۔ قاضی اطہر مبارک پوری کا شمار رجال کی اس فہرست میں ہوتا ہے جنہوں نے حالات کی ناسازگاری کے باوجود آسمان علم وفن پر اپنے لیے نہ صرف یہ کہ جگہ بنائی بلکہ ایسے امکانات بھی پیدا کیے

کہ ماہرین علم وفن کی رہنمائی وتربیت کے بغیر اور بڑے تعلیمی اداروں اور تحریکوں کی بیساکھی لیے بنا بھی ترقی کے اعلی مدارج طے کیے جاسکتے ہیں۔ بمبئی جیسے علم نادوست شہر میں رہتے ہوئے انہوں نے علم وتحقیق کے ایسے نادر موضوعات منتخب کیے جو ان کی وسعت نظر اور وفور معلومات کے گواہ ہیں۔ وہاں انہوں نے سادگی و پرکاری کی وہ اعلی اخلاقی مثالیں قائم کیں کہ اسے کردار کے کوہ ہمالہ سے تعبیر کیا جاسکے۔ قاضی اطہر مبارک پوری کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ملک کے بڑے علمی مراکز اور اداروں و جماعتوں سے دور رہتے ہوئے محض اپنی انفرادی کوششوں سے علم وتحقیق کے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو انہیں ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ (ان کی علمی جہات میں دو موضوعات کو خصوصی حیثیت حاصل ہے: ایک عرب و ہند کے گوناگوں تعلقات اور دوسرے دیار پورب کی علمی سرگرمیاں۔ مختلف علمی و مذہبی موضوعات پر شائع ہونے والے معیاری مقالات ان کے علاوہ ہیں۔ اعظم گڑھ کو پورب کا شیراز کہا جاسکتا ہے۔)

خاندان، بچپن اور تعلیم:

قاضی اطہر مبارک پوری کا تعلق ایک ایسے خانوادے سے ہے جو

قیام مبارک پور کے زمانے سے ہی مبارک پور کے شرفاء میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے اجداد مغل دور کے آغاز (عہد ہمایوں) میں بانی مبارک پور راجہ سید شاہ مبارک مانک پوری (متوفی ۹۶۵ھ) کے ہمراہ یہاں آکر آباد ہوئے۔ انگریزی دور میں جب کہ محکمہ قضا ایک اعزازی محکمہ رہ گیا تھا ان کے جد اعلی شیخ امام بخش کو مبارک پور میں نیابت قضا کا عہدہ ملا اور ان کی ذمہ داری اس علاقے میں اقامت دین، امامت جمعہ وعیدین، پیش آمدہ وقتی مسائل، نکاح، طلاق، وراثت، مسلمانوں کے درمیان اختلافات کا حل وغیرہ قرار پائی۔ اسی نسبت سے ان کے خاندان میں قاضی کی نسبت عرصہ دراز سے چلی آتی ہے، قابل ذکر یہ ہے کہ خاندان کے لوگوں نے (صرف قاضی صاحب نے نہیں) اس نسبت کا پاس ولحاظ بھی رکھا ہے اور عملا اسے نبھایا بھی ہے۔ انگریزی عہد میں جب مسلمان چوطرفہ زوال سے دوچار تھے، اس خاندان نے بھی مشکل وقت دیکھا۔ اس پر ناگہانی یہ ہوئی کہ نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے چودہ پندرہ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ خانگی حالات اور تنگی معاش نے تعلیم کے لیے گھر سے باہر نکلنے نہ دیا۔ تعلیم جس کا آغاز گھریلو مکتب سے ہوا، انہیں اردو و فارسی سکھانے مدرسہ احیاء العلوم لے گئی اور پھر قاضی صاحب یہیں کے ہو رہے۔ تقریبا

پوری روایتی تعلیم مدرسہ احیاء العلوم میں حاصل کی صرف آخری سال دورہ حدیث کے لیے مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہوئے۔

اس میں شک نہیں قاضی صاحب کے زمانہ طالب علمی میں اعظم گڑھ اوراطراف میں نہ صرف یہ کہ بڑے پیمانے پر تعلیمی سرگرمیاں جاری تھیں اور متعدد اہل علم کی انجمنیں بھی سجی رہتی تھیں۔ محدود وسائل اور گھریلو حالات قاضی صاحب کے لیے بالکل بھی ساز گار نہیں تھے کہ وہ قرب و جوار کے بڑے مدرسوں کا ہی رخ کر پاتے، اس کے باوجود ان کے حوصلے اور ہمت کو سلام کرنا چاہیے کہ انہوں نے اپنے گھر اور مدرسے کو ہی اپنی محنت اور لگن سے، اپنے اساتذہ کی محبت اور شفقت سے اور سب سے بڑھ کر فضل الٰہی سے بغداد و بخارا اور قاہرہ وغرناطہ کا ہم پلہ اس طرح بنا دیا کہ ان کی کتابوں کو تمام عمر کے لیے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ بات نکلی ہے تو پھر یہ عرض کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قاضی اطہر مبارک پوری کی شخصیت بنیادی طور پر خود ساز تھی، بظاہر انہیں کسی بڑے اہل علم مربی کی سرپرستی ورہنمائی نہیں ملی لیکن انہوں نے ائمہ وقت کی کتابوں کو اپنا رہنما اور مربی بنالیا جنھوں نے ان کی صلاحیتوں کو جلا بھی بخشی اور آزادانہ انہیں آگے بڑھنے اور برگ وبار لانے کے مواقع بھی فراہم کیے۔ اہل علم کی مجلس

ہے اس لیے یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ قاضی صاحب کو مطالعے کے ساتھ کتابیں اور مخطوطات جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ درسی کتب کے علاوہ کثرت سے وہ غیر درسی کتب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ یہ شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ کم عمری میں ہی اپنی آنکھیں بھی خراب کر لی تھیں۔ زمانہ طالب علمی سے ہی انہوں نے کتابیں خریدنی اور پڑھنی شروع کر دی تھیں۔ ان کا یہ شوق تا حیات رہا اور ان کی علمی کامیابیوں میں اس شوق کا بہت بڑا رول ہے۔

تلاش معاش وروزگار:

کہتے ہیں کے تعلیم سے فراغت حاصل ہوتی ہے، روزگار کے دروازے کھلتے ہیں اور آیندہ زندگی کا سفر آسان ہوجاتا ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری نے بھی روایتی تعلیم کی تکمیل کے بعد کی زندگی کے لیے اسی طرح کے سپنے سجائے تھے۔ چاہتے تھے کہ تدریس کے شعبے میں جائیں مگر مدرسوں کی تدریس کے اپنے مسائل ہوتے ہیں، قاضی صاحب شاید اس میں فٹ نہ آتے ہوں، گو انہوں نے زندگی بھر آزادانہ کسی نہ کسی طور معلمی کے فرائض انجام دیے۔ کئی برس تک در در دستک دیتے رہے لیکن یکسو کر

دے ایسا کوئی روزگار میسر نہ آیا۔ بالآخر ہر امیر و غریب کو ایک شفیق ماں کی طرح اپنی بساط بھر پروں کے نیچے ڈھانپ لینے والے شہر عروس البلاد بمبئی پہنچے۔ بمبئی بھی عجیب و غریب شہر ہے، یہ پیٹ تو سب کا بھرتا ہے مگر عزت و نیک نامی معدودے چند لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ قاضی صاحب نے اپنی عمر عزیز کے چالیس قیمتی سال مختلف حیثیتوں میں بمبئی میں گزارے۔ صحافت کو بطور پیشہ اختیار کیا لیکن بمبئی اور صحافت دونوں سے انہوں نے اتنا ہی لیا جو قوت لا یموت کی طرح ضروری ہو ورنہ کتنے تو ان کوچوں میں جا کر خوب خوب نہال ہوئے۔ قاضی اطہر مبارک پوری نے بمبئی کی مصروف اور شہرت آسا زندگی میں خودداری و گمنامی کی ایک ایسی کٹیا آباد کی جو مرکز علم و نور تھی۔ بظاہر خاموش شہری ہنگاموں سے الگ اس آب رود سے علم و فن کا وہ دریا موج زن ہوا جس نے عرب و عجم کے جویان علم کے ایک جم غفیر کو سیراب کیا اور جس کی سیرابی کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ بلاشبہ یہ قاضی صاحب کی علم دوستی، مال و دولت سے بے نیازی اور دین و مذہب سے استواری کے اوصاف حمیدہ تھے جن سے خوش ہو کر قسام ازل نے ان کی اولاد و احفاد کو ان سب چیزوں سے نوازا اور خوب نوازا۔

علمی فتوحات:

قاضی اطہر مبارک پوری ایک عالم با عمل، سراپا عجز و انکسار مگر عظمت علم کے کوہ وقار، کشادہ دل اور وسیع المشرب تھے۔ تعصب و تنگ نظری اور تحزب و فرقہ آرائی سے وہ ہمیشہ میلوں دور رہے۔ ان کے ان اوصاف نے انہیں ملک و بیرون ملک کے تمام طبقات میں یکساں مقبولیت و احترام عطا کیا تھا۔ وہ جہاں بھی رہے اور جس حال میں بھی رہے خدمت علم میں مصروف رہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا قاضی صاحب کی شخصیت ایک خود رو پودے کی طرح تھی البتہ علم و کتاب دوستی کے ذریعے انہوں نے اپنی شخصیت سازی اس طرح کی کہ وہ آج ان لوگوں کے لیے نمونہ ہے جو مسلسل حالات کی ناسازی اور مواقع کی عدم فراوانی کا رونا روتے رہتے ہیں۔ انہوں نے تربیت و رہنمائی کے کسی بھی اہم سہارے کے بغیر علم و تحقیق کی ان بلندیوں تک رسائی حاصل کی جن تک ادارہ جاتی تربیت اور تحریک معاونت بھی کم ہی پہنچاتی ہے۔ قاضی صاحب کی تمام تر علمی متاع خود ان کے اپنے دست و بازو کی کسب کردہ تھی۔ وہ اس حوالے سے بڑے خوش قسمت تھے کہ انہیں تصنیف و تالیف کے میدان میں

سوائے باری تعالی کے کسی اور کا شرمندہ احسان نہیں ہونا پڑا۔ ہاں شبلی اور ان کے علمی و تحقیق اسکول سے انہیں یک گونہ مناسبت ضرور ہے۔ بقول مولانا ضیاء الدین اصلاحی: ''ان کے انداز بیان، طرز تحریر، اسلوب نگارش، ترتیب مواد اور طرز استدلال میں وہی دل کشی ورعنائی اور وہی شگفتگی وسلاست اور حلاوت وشیرینی ہے جو شبلی اسکول کا طرہ امتیاز ہے۔''

قاضی اطہر مبارک پوری کے علمی کمالات گوناں گوں اور مختلف الجہات ہیں۔ ان کی تالیفات وتصنیفات اور مضامین ومقالات کی فہرست سازی ہی ایک بڑا کام ہے۔ علمی زندگی کا آغاز دوران طالب علمی غیر درسی کتب کے مطالعے اور پھر اخبارات ورسائل میں مضامین سے ہوگیا تھا۔ ابتداء میں دینی و مذہبی امور زیر تحریر آئے۔ صحافت کے میدان میں قدم رکھا تو مختلف شہروں اور اخبارات سے ہوتے ہوئے پہلے جمہوریت اور پھر انقلاب کے دینی و مذہبی کالموں کے ذریعے مذہبی و دینی صحافت کا وہ اعلی معیار قائم کیا کہ نئے قلم کاروں کو اس کی متابعت وپیروی کی نصیحت کی جاسکتی ہے۔ یہ کیسا تضاد ہے کہ ایک طرف پورا ماحول علم نا دوست ہے یا کم از کم علمی وتحقیقی کاموں کے لیے ناموزوں ہے۔ قاضی صاحب کو یہیں رہ کر کسب معاش کرنا ہے اور دوسری طرف علم وتحقیق سے اپنے کمٹمنٹ کو بھی

متاثر نہیں ہونے دینا ہے۔ یہ ان کا کمال تھا اور شاید انہیں پر تمام بھی ہوا کہ وہ اپنے صحافتی فرائض منصبی سے فراغت کے بعد اپنے کتابی دوستوں (خیر القرین کتاب) میں گوشہ گیر ہوجاتی اور پھر وہیں چند فٹ کے کمرے میں کتابوں کے درمیان بیٹھ کر علم وتحقیق کے وہ آب دار موتی اکھٹے کیے کہ سرحدوں کی حدود کے بغیر پوری علمی دنیا عش عش کر اٹھی۔ قاضی اطہر مبارک پوری کے علمی کارنامے ایسے ہیں کہ ان سب پر ایک مقالے یا خطبے میں کلام نہیں کیا جاسکتا۔ میں تو یہاں اس خطہ علمی کو یہ یاد دلانے آیا ہوں کہ کیسے کیسے گوہر تاب دار ماضی قریب یا زیادہ صحیح الفاظ میں چند دہائیاں قبل تک یہاں موجود رہے ہیں۔ ضرورت ان کے علمی اکتسابات کی روشنی میں علم کی جانب اپنے سفر کو تیز گام کرنے کی ہے۔ مذہبیات کے حوالے سے ان کا تیار کردہ لٹریچر کافی ضخیم ہے۔ خدمت حدیث کے حوالے سے دفاع اسلام اور خواتین اسلام کی دینی وعلمی خدمات ایک دوسرا اہم پہلو ہے جس پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ البتہ میں یہاں ان کے اس تفرد علمی کی طرف آپ لوگوں کو لے جانا چاہوں گا جو ان کا امتیاز اور انہیں کے ساتھ خاص ہے۔ اور اسی پر میں اپنی گفتگو ختم بھی کروں گا، ان میں ایک ہندوستان کے ابتدائی اسلامی عہد کی تاریخ کے حوالے سے ان کی تحقیقات

ہیں اور اس میدان میں ابھی تک ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ دوسرے دیار پورب کے علم اور علماء کے کارناموں کی حفاظت اشاعت کا کام۔

عرب و ہند تعلقات کے حوالے سے ان کے علمی کارنامے ہندوستان کے ابتدائی اسلامی عہد کی تاریخ ہی مرتب نہیں کرتے بلکہ جویان علم کے لیے تحقیق اور علمی کاموں کا ایک نیا در بھی وا کرتے ہیں۔ انہوں نے محض اپنی کاوش سے ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ کے نئے مآخذ دریافت کیے۔ انہوں نے عرب سیاحوں، مورخوں، جغرافیہ دانوں اور مصنفوں کا گہرا مطالعہ کر کے ہندوستان کے حوالے سے ان کی تحریروں کے وہ جواہر دریافت کیے جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کے باقاعدہ آغاز کو غزنوی دور سے پیچھے لے جا کر سندھ، منصورہ اور ملتان میں ان مسلمان حکومتوں سے ملا دیا جو محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے بعد قائم ہوئی تھیں اور جن کا تذکرہ ہمارے فارسی تاریخی مآخذ میں نہیں ملتا۔ قاضی صاحب کے اس بڑے علمی کارنامے سے ہندوستان اور دنیا بھر کے علمی حلقوں کو متعارف کرانے کی ضرورت ہے۔

قاضی اطہر مبارک پوری کی علم و تحقیق کی دنیا کو میری نظر میں دوسری اہم اور بڑی عطا یہ ہے کہ انہوں نے جس سرزمین میں آنکھیں کھولی

تھیں اور جہاں ان کے علم و مطالعے میں پختگی آئی تھی اس کی علمی روایت کی بھی تلاش و تحقیق کی۔ اور اس کے نتیجے میں ایک ایسا علمی سرمایہ مرتب کرنے میں کامیاب ہوئے جس نے خطہ پورب یا جسے شیراز ہند بھی کہا جاتا ہے کے علمی اکتسابات کو آیندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہی نہیں کیا بلکہ ان کے لیے نشانات منزل بھی متعین کر دیے ہیں۔ دیار پورب میں علم اور علماء ہو، تذکرہ علماء مبارکپور ہو یا اس حوالے سے شائع ہونے والے ان کے دیگر مضامین و مقالات ان میں اس عظیم علمی خطے کی علمی شخصیات، ان علاقوں کی علمی و مذہبی سرگرمیوں کی تفصیلات کو تحقیق و جستجو کے بعد یکجا کر دیا گیا ہے۔ وہ علمی شخصیات اور کارنامے جو گزرتے وقت کے ساتھ بڑی حد تک پردہ خفا میں جا چکے تھے ان کو از سر نو روشن و تابندہ کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس خطے کی ایک ایسی علمی تاریخ مرتب کی ہے جس میں یہاں کے قصبات و دیہات کی تاریخ بھی محفوظ ہو گئی ہے۔ خطے کے لوگوں کو اس بڑی خدمت کے لیے حیات شبلی کے بعد قاضی اطہر مبارک پوری کا ممنون احسان ہونا چاہیے۔

آخر میں میں اپنی بات قاضی اطہر مبارک پوری کی خودنوشت ''قاعدہ بغدادی سے صحیح بخاری تک'' اور ''کاروان حیات'' پر ختم کروں

گا۔ ایسا میں اس لیے کر رہا ہوں کہ قاضی صاحب کا سفر زندگی خود اپنے آپ میں ایک بڑا محرک ہے علم و تحقیق سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے۔ ان کی اس روداد حیات کو پڑھتے ہوئے بارہا آنکھیں تو نم ہوتی ہی ہیں لیکن وہیں یہ حوصلہ بھی ملتا ہے کہ کس طرح ایک دور افتادہ معمولی جگہ سے تعلق کے باوجود جہاں نامناسب حالات کے سبب ناگزیر اسباب بھی فراہم نہیں تھے قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنی شخصیت سازی بھی کی اور علم و تحقیق کی دنیا میں اپنا مقام بھی بنایا۔ ان کا پیغام یہی ہے کہ علم کا سفر کہیں بھی اور کسی بھی حالت میں رکتا نہیں ہے۔ یہ ہر حال میں جاری رہتا ہے اور اسے جاری رہنا چاہیے۔ آج کے زمانے میں بھی حالات بظاہر ناموافق ہیں لیکن عدم موافقت کے باوجود حالات کی سازگاری کی طرف جانے والا راستہ سید دانا اور قاضی بینا دونوں کے مطابق علم سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس لیے قاضی صاحب کو اصل خراج عقیدت یہی ہوگا کہ ان کے ذریعے علم کی جلائی شمع کو مزید روشن کیا جائے۔

پروفیسر اختر الواسع کا مختصر تعارف

پروفیسر اختر الواسع (پیدائش علی گڑھ ۱۹۵۱) ملک کے ممتاز ماہرین اسلامیات اور روشن فکر دانشوروں میں شمار کیئے جاتے ہیں۔انہوں نے گزشتہ نصف صدی سے زیادہ کے دورانیہ میں نہایت سرگرم علمی، ذہنی و عملی زندگی گزاری ہے۔اور عصری زندگی کے اہم سوالات پر نہایت پختہ اور متوازن فکری موقف اختیار کر کے اپنا ایک علیحدہ رنگ اور نقش قائم کیا ہے۔ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ نسل انہیں اپنے چند معتبر اور معتدل ترجمانوں میں شمار کرتی ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں حصول علم کے بعد وہ تقریباً چار دہائی تک جامعہ ملیہ اسلامیہ سے وابستہ رہے اور صدر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز ،فیکلٹی کے ڈین اور ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر رہے۔وہ تین درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ،مترجم اور مرتب ہیں۔وہ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے پروگراموں کا جانا پہچانا نام ہیں۔انہوں نے بین الاقوامی اور علاقائی اہمیت کے مذاکرات اور کانفرنسوں میں جن میں عالم اسلام اور مجلس اقوام متحدہ کی مختلف تنظیموں کے اجلاس بھی شامل ہیں، شرکت کیلئے ساٹھ سے زیادہ بیرونی سفر کیئے۔انہیں ۲۰۱۳ میں پدم شری سے سرفراز کیا گیا اور ۲۰۱۴ میں صدر جمہوریہ ہند نے ہی انہیں قومی کمشنر برائے لسانی اقلیات کے دستوری منصب پر فائز کیا۔اسکے علاوہ بھی انہیں بہت سے انعامات و اعزازات سے سرفراز کیا جاچکا ہے۔

آپ دہلی اردو اکیڈمی کے وائس چیئر مین ،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کی ایگزیکیٹو کے رکن ،سینٹرل وقف کونسل کے ممبر ،مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے ٹریزرار اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر کی درگاہ کمیٹی کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔

آج کل پروفیسر واسع ستمبر ۲۰۱۶ سے مولانا آزاد یونیورسٹی ،جودھپور راجستھان کے صدر (وائس چانسلر) اور جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر ایمریٹس ہیں۔